بلوچی عشقی کسّانیاں

۱۴

وفاقی حکومتءِ وانگءُ وزارتءِ نصابی بہرءِ کمکءَ گوں

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

بلوچی عشقیہ کہانیاں

مترجم

عبدالغفار ندیم

کلیں حق بہ بلوچی اکیڈمی ءَ

چھاپ کنوخ	بلوچی اکیڈمی۔ کوئٹہ
چھاپ جاہ	قلات پرنٹنگ پریس۔کوئٹہ
سری وار	۱۹۸۰ء
لیکوّ	یک ھزار
بہا	
کتابت	محمد عارف

للّہ و گراناز

للّہ اور گراناز مکران کے ساحلی علاقہ کلمت کے رہنے والے تھے ان کے صیحح وقت اور سن کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ خیال یہی ہے کہ یہ تین سو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ ان کی کہانی کا رنگ، دوسری کہانیوں کے رنگ سے الگ ہے۔ کئی دوسری کہانیوں میں جیسا کہ سمو و توکلی مست کی کہانی، فراق اور ایک دوسرے کی شکل تک کو نہ دیکھنے کے واقعات ملتے ہیں۔ لیکن ان دونوں نے پہلے ہی روز ایک دوسرے کو دیکھا اور پسند کیا۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سمّو بھی توکلی مست کو اتنی ہی پسند کرتی تھی اور فریفتہ تھی جتنا کہ توکلی اس کیلئے بیتاب اور بیقرار رہتا تھا۔

اس طرح للّہ اور گراناز کا قصّہ سب قصوں سے الگ ہے تاہم اس کی داستان اور دوستین شیرین کی کہانی میں تھوڑی سی مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس کی شعری داستان ہر ایک کی زبان پر ہے۔ مگر یہ کسی کو معلوم

نہیں کہ ان اشعار کا خالق کون ہے ؟ ۔ گراناز کے کہے ہوئے ہیں یا للّہ کے اشعار ہیں۔ ان اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کلمت کے رہنے والے تھے کس حاکم کے دور اور کس زمانے میں تھے۔ ان اشعار سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس زمانے کے واقعات قحط، بیماریوں وغیرہ کا اظہار ہوتا ہے جیسا کہ قدیم شعری داستانوں کی روایت چلی آتی ہے۔

گراناز کے باپ کا نام میر باران تھا۔ وہ کلمت کا نامی گرامی اور مشہور شخصیت تھی۔ گراناز کی شادی اس نے للّہ کے ساتھ کردی۔ ابھی شادی کی خوشیاں منا رہے تھے کہ گراناز کے باپ کی اپنے دشمنوں سے جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ عرصہ تک جاری رہی۔ ایک دوسرے سے انتقام گیری، بلوچی رواج کی خصوصیت تھی، چنانچہ ایک دوسرے کے خون کا بدلہ لینے کے لئے دونوں جانب سے پیغامات اور طعنوں کا تبادلہ ہوا۔ یہ ایک بہت بڑی لڑائی کا پیش خیمہ تھی۔ دشمنوں نے بڑی لڑائی لڑنے کے لئے زور شور سے تیاری کردی۔ ایک روز انہوں نے حملہ بول دیا میر باران اور اس کا بیٹا مقابلہ کرنے کیلئے نکل گئے۔ اس کے دوسرے

چچا زاد بھائیوں اور عزیزوں نے مقابلہ کرنے میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ للّہ میر باران کا داماد اپنے اور بیوی کے ننگ و ناموس کی خاطر روانہ ہو کر ان کے ساتھ لڑائی میں شامل ہو گیا۔ اس طرف نفری زیادہ تھی اور میر باران کے پاس صرف دو تین ہی آدمی تھے۔ لڑائی کے ابتدا میں ہی میں میر باران اور اس کا لڑکا مارے گئے۔ للّہ کو کافی زخم آئے۔ للّہ کا گھوڑا بھی زخمی ہو گیا۔ اس دوران للّہ کے آدمیوں نے اس کو زخمی حالت میں لڑائی کے میدان سے باہر نکالا۔ کہیں اسے قتل نہ کریں۔ لڑائی میں ان کی شکست کا حال پورے شہر میں پھیل گیا۔ کسی نے افواہ اڑا دی کہ للّہ میدانِ جنگ سے بھاگ گیا ہے اور میر باران اور اس کے بیٹے کو مرا ہوا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر چکا ہے۔ جب یہ بات گرانا زتک پہنچی تو اسے بڑا دُکھ پہنچا۔ وہ اپنے دُکھ اور غم کا اظہار اشعار میں کرتی ہے

میں نے اپنی چہیتی سہیلیوں کے ساتھ
پرسوں فخر و غرور سے کہا تھا کہ للّہ میدان جنگ سے
کبھی فرار نہیں ہو گا۔ وہ اپنی جان قربان کر دے گا

مگر جب اُسے، اس کے راہِ فرار اختیار کرنے کی خبر ملتی ہے
تو وہ پھر اپنی سہیلیوں سے یوں مخاطب ہوتی ہے۔
"میں اپنے تمام کپڑے شادی کے بند کردوں گی۔ گھر کو ویران ہی
سمجھوں گی۔ اپنے کانوں سے سونے کی بالیاں نکال دوں گی۔
ان سب کو کسی ویرانے میں رکھ دوں گی اور پھر اپنے کو بیوہ سمجھ
کر ماتم کرنے بیٹھوں گی۔"

وہ للہ کو طعنہ دیتی ہے۔

میدان جنگ میں لوگ تلواریں چلاتے ہیں۔ دشمنوں پہ دندان شکن وار کرتے ہیں۔ وہ اپنی حسین محبوباؤں کو بھول جاتے ہیں۔ مگر تجھے شاید اپنی محبوباؤں کی حسین یادیں اور گرم مجلسیں اپنے بزرگوں کے گھروں کی ٹھنڈی چھاؤں کی یاد ستانے لگی۔ شاید زیادہ تر تمہیں میرا چاند سا چہرہ یاد آ گیا۔ میرا ناز و انداز اور گرم مجلسیں یاد آگئیں۔ اور تم جنگ سے بھاگ گئے۔ لیکن للہ یاد رکھو!۔ آج کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روز محشر تک تم میرے باپ اور بھائی کی طرح رہو گے۔"

وہ للہ کو یہی طعنہ دیتی ہے کہ میدان جنگ میں تمہیں سب کچھ فراموش

کر کے مردانگی کے جوہر دکھانے تھے۔ نہ کہ اپنی مجبوریوں، دوستوں اور آرام و اسائش کی خاطر بھاگنا تھا۔ اس لئے اب تم اس قابل نہیں رہے کہ شوہر کی حیثیت سے میرے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی گذارو۔ اب تمہاری حیثیت ایک باپ، بھائی اور بیٹے کی سی ہو گی۔

للہ کو جب اپنی پری جیسی بیوی کے ان طعنوں کی خبر ہو گئی تو اُسے نہایت تکلیف ہوا کہ وہ آج تک زخموں سے چور ہے۔ اور انتقام لینے کی خاطر ابھی تک دشمنوں کے پیچھے گیا ہوا ہے۔ للہ ایک جیالا بلوچ تھا۔ اس نے بھی قسم اٹھائی کہ ؎

"گراناز تم محشر کے دن تک بھنگ کے نشہ میں مدہوشی کے وقت بھی میری بہن کی طرح رہو گی"

للہ کو گراناز کے طعنوں نے آگ لگا دی تھی۔ انتقام کی آگ زیادہ بھڑک اٹھی۔ اسے افسوس تھا تو اس قدر کہ گراناز نے دوسروں کی باتوں پر بھروسہ کر کے اسے بھگوڑا قرار دیا ہے۔ جبکہ اس کی حالت تو یوں تھی ؎

"چودہ گولیاں ابھی تک میرے جسم میں ہیں۔ اور تلواروں کی کاری ضربیں تو اس کے سوا ہیں"

للہ نے دشمنوں سے انتقام لینے کا عہد کیا۔
، بلوچوں کا انتقام دو صدیوں تک اس طرح تازہ اور جوان رہتا
ہے۔ جس طرح کہ پہاڑی ہرنیاں دو دانتوں والی بچیاں جوان
ہوتی ہیں "
للہ نے کمر بستہ ہو کر دشمن پر حملہ کیا۔ میر باران اور اس کے بیٹے
خوب جی بھر کر انتقام لیا۔ پھر اس نے اپنی محبوبہ گرانناز کو پیغام بھیجا۔

"میں نے تمہارے باپ اور بھائی کے انتقام
کی خاطر پہاڑی درہ پر گھات لگائی۔ ان کا
انتقام لے کر کلیجے کو ٹھنڈا کیا۔ اور اپنے
دامن سے سب داغ مٹا ڈالے ہیں "

کچھ عرصہ بعد گرانناز کو حقیقت معلوم ہو گئی کہ للہ کے میدانِ جنگ
سے بھاگنے کی خبر جھوٹ تھی، وہ لڑائی میں زخموں سے چُور چُور ہو گیا
تھا۔ اور ابھی اس کے زخم بھی ٹھیک ہوئے تھے کہ اس نے اس کے
باپ اور بھائی کا انتقام بھی لے لیا ہے۔ وہ اب پشیمان ہو گئی کہ اب
کیا کرے۔ اس کے باپ بھائی تو جنگ میں مر گئے۔ اور اپنے شوہر کو تو

ے دے کر اپنے سے دُور رکھا اور بھائی بنا لیا - پھر للّہ کے قسم کی بات
ے معلوم ہو گئی تھی - اس کی مجلسوں اور محبت سے بھی محروم ہو گی -
ب اس کے لئے دنیا اندھیرا تھی - اس کے لئے اب کون رہ گیا تھا - للّہ بھی
س کی جدائی میں جل بھن رہا تھا - اُس کے لئے دنیا تاریک ہو گئی تھی - وہ اپنی
زک اندام محبوبہ کی لمس سے محروم ہو گیا تھا - وہ ان جذبات کا اظہار
شعار میں یوں کرتا ہے -

" اے گرانازتم سے تو جنگل کے تنے اور لکڑیاں اچھی
ہیں - جن کو سیلاب کا پانی دُور دُور سے بہا کر لے آتا
ہے - جو اونچی جگہوں پر رُک جاتی ہیں - جنکو اب نہ
ہوا ہلا سکتی ہے اور نہ سیلاب کا پانی بہا کر لے جا
سکتا ہے - جنہیں میرے عزیز پنھن کو اپنے نازک
کاندھوں پر ڈالے راتوں کو چراغ کی مانند جلاتے ہیں
اور یہی رات بھر میری طرح جل جل کر میرے دکھ درد
کے ساتھی ہوتے ہیں -

لیکن ہر ایک کو اپنے قول کا پاس تھا - وہ اپنی اپنی ضد پر اڑے

رہے ۔کسی نے دوسرے کی جانب پہل نہیں کی ۔ اور جدائی کی آگ میں
جلتے رہے ۔ روحیں تڑپتی ہیں ۔ آخر ، للہ کی ماں اور اس کے بھائی نے
اس سے کہا کہ گراناز وہ ابھی تک تمہاری بیوی ہے ۔ مگر وہ نہیں مانا ا
دونوں کے قول و سوگند یاد دلائے کہ اب وہ میاں بیوی کس طرح رہ سکتے
ہیں ۔ آخر انہوں نے کسی قاضی سے فتویٰ لیا ۔ اس نے فتویٰ دیا کہ للہ بھنگ
پینے سے توبہ کرے اور گراناز کبھی زیورات نہ پہننے سے توبہ کرے ۔ اس
طرح دونوں کی قسمیں پوری ہوں گی ۔ اور وہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہ
سکیں گے ۔ اس طرح دونوں پھر یک جان و دو قالب ہو گئے ۔ اور دو پیا
روحوں کا ایک بار پھر ملاپ ہو گیا ۔ دونوں ہنسی خوشی میاں بیوی کی زندگی گذا
لگے ۔

دوستین اور شیرین

دوستین بلوچوں کے رند قبیلے کا ایک فرد تھا ۔ دوستین نے جب عالم ش
میں قدم رکھا تو اس دوران بیرونی دشمنوں نے بلوچوں کے علاقوں

حملے شروع کر دیئے۔ رند و لاشاری قبیلے کی آپس کی طویل جنگ کے وقت وہ کمسن تھا۔ اس لئے اس جنگ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ صوبہ دار سید بہاالدین بخاری سہون کے بختیار بیگ اور بکھر کوٹ کے جاگیردار اور نائب میر معصوم اپنی متحدہ فوجوں کے ساتھ بلوچوں کے علاقوں کو ختم کرتے ہوئے سیوی پر بھی قابض ہو گئے۔ وہ اس جنگ کے دوران گرفتار ہو کر قیدی بنا دیا گیا۔ اور قیدی کی صورت میں ہڑند کے شہر میں لا کر نگہبان بنا دیا گیا۔

اس جنگ سے پہلے دوستین کی منگنی، شیرین کے ساتھ ہو چکی تھی۔ شیرین میر لعل خان کی بیٹی تھی۔ میر لعل خان، بہادر اور نڈر اسحاق کا نزدیکی رشتہ دار تھا۔ لعل خان بھی اسحاق کے ساتھ ہر وقت چراگاہوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ وہ ایک جگہ پر نہیں رہتے تھے۔ خانہ بدوشانہ زندگی گذارتے تھے۔ اس وقت جب دوستین گرفتار ہو گیا تو شیرین ایک معصوم سی بچی تھی۔

دوستین کی گرفتاری کے بعد، رندوں نے دوستین کا بہت انتظار کیا اور اس کی کافی کھوج لگائی۔ مگر اس کے بارے میں کسی کو بھی کچھ معلوم،

نہ ہو سکا۔ اب شیریں کئی سال گزرنے کے بعد جوان ہو گئی تھی۔ مگر دوستین ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ اور نہ ہی اس کی زندگی کے بارے کوئی حال معلوم ہوا۔ انہوں نے اب فیصلہ کر لیا کہ شیریں کی دوسری جگہ شادی کر دی جائے۔ کیونکہ ان کو یقین ہو گیا تھا کہ دوستین اس دنیا میں نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ شیریں بولتی تھی کہ اگر کسی عورت کے گھر میں بیٹا پیدا ہو اور اس کا نام دوستین رکھے تو میں اسی کے ساتھ شادی کروں گی۔ وہ دوستین کی یاد میں تڑپتی تھی۔

رندوں نے اس کا سراغ لگانے کے لئے کسی کو ہرمند کے شہر میں بھیجا تھا وہ اس کی تلاش میں گھر گھر گھومتا ہوا آخر اس تک پہنچا۔ اس نے اسے حال دیا۔ شیریں کی محبت بھری باتیں اور پیغام بھی اس تک پہنچائے۔ دیکھیا کہ دوستین اپنے اشعار میں کہتا ہے

ایک شخص خراساں کی جانب سے آیا ہے۔ اسکے کپڑے
میلے اور گرد آلود ہیں۔ مگر اس کی باتوں سے خوشبوؤں کی
مہک اٹھتی ہے

کیونکہ ان باتوں میں شیریں کا تذکرہ ہے۔ اس نے اپنے ملک کا حال

دوستین کو اشعار میں یوں بتایا ہے ؎

"کونارو کے شہر میں خوب برسات ہوئی ہے۔ منگوچہر
کے دشت و دامن کو برس برس کر سبزہ زار بنا دیا ہے۔"

اس نے ان اشعار میں اپنے خطۂ وطن کے اس سال آباد و خوشحال ہونے اور مال مویشیوں کی اچھی حالت کے بارے میں اسکو بتایا۔ کیونکہ دوستین خود بھی مال مویشیوں کا مالک تھا۔ اس کا گذارہ بھی مال مویشی پالنے پر تھا۔ وہ شعر کی زبان میں اس طرح اس کے وطن کی آبادی کے بارے میں اسے بتایا ہے۔

"بھیڑیں خوشبودار درنو گھاس سے خوب سیر ہیں اور بکریاں پہاڑی گلاب کے پھولوں سے۔"

ہڑند میں قید ہونے اور اونٹوں کے گلے کے چرانے کے کام پر مامور ہونے کے بارے میں دوستین کہتا ہے۔ ؎

میں ہڑند کا مشہور قیدی اور اونٹوں اور اصطبلوں کی خدمت
پر مامور ہونے کے باوجود شیریں کے نام پر فدا ہوں۔ اپنی
بیوی کی خوش قسمتی سے آخر میں ہڑند کی قید سے آزاد

ہو گیا "

عید کی صبح تھی۔ گھوڑے دوڑ کی بازی لگی ہوئی تھی۔ دوستین بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دربار میں آیا۔ حاکم وقت سے پوچھا۔ مجھے اجازت ہے اس نے کہا۔ ہاں اجازت ہے۔ وہ یہی سمجھا کہ شاید مقابلہ میں حصّہ لینے کی اجازت لے رہا ہے۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایک چابک لگا دی۔ آکر حاکم وقت کے سامنے سے گذرا اور بولا۔ آپ نے مجھے اجازت تھی۔ لو اب میں جا رہا ہوں۔ میں نے جو قول دیا تھا کہ تمہاری اجازت کے بغیر کبھی نہیں جاؤں گا۔ اسے پورا کر دیا۔ اب اس نے کہکر گھوڑے کا رخ مغرب کی طرف کر دیا اور گھوڑا گویا ہوا میں اڑتا جا رہا تھا۔ تب ہرند کے حاکم کو اپنی غلطی اور دوستین کی ہوشیاری کا علم ہوا۔ مگر اب وہ ہوا چکا تھا۔

اُدھر شیرین اس کے لئے بیقرار تھی۔ اور اس کے اِس پیغام نے تو اس کو اپنی جان کی بازی لگا دینے کی ترغیب دیدی ؎

"اے اچھے خاندان کے امیر اور آقا، قید خانہ میں بند
میرے خوشبو سے معطر محبوب! اب جلدی چلے آؤ"

دوستین منزلیں طے کرتا ہوا اپنے علاقے نزک میں پہنچا۔ وہاں اس نے عجیب سماں دیکھا۔ وہ کافی عرصہ بعد واپس آیا تھا۔ اس نے وہاں بہت سے لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ لوگ انتہائی خوش تھے۔ کباب پک رہے تھے۔ رقص و سرود کی محفل گرم تھی۔ وہ حیران ہوا۔ اس روز شیریں کی شادی دوستین نامی دوسرے شخص سے ہو رہی تھی۔ دیرانے میں شہر کا سماں تھا۔ اصلی دوستین اب تک نہیں پہنچا تھا۔ اس لئے مجبوراً دوسرے دوستین کی شادی ہو رہی تھی۔ مگر اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ لیکن اس گہما گہمی سے الگ تلگ ایک لڑکا نڑ بجا رہا تھا۔ اور یادگار اشعار گا گا کر روتا تھا۔ دوستین نے اس سے پوچھا۔ کیا بات ہے۔ وہاں تو رقص و سرود ہے اور تم رو رہے ہو۔ اس نے کہا آج شیریں کی شادی ہے۔ جو میرے بھائی دوستین کی منگیتر ہے۔ میرے بھائی کا کسی کو علم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ زندہ ہے کہ مردہ۔

دوستین بھی آکر محفل میں شریک ہو گیا اور وہی شعر سنانے لگا جو اس کی محبوبہ نے اس کی شان میں کہے تھے۔ اور پیغام کی صورت میں بھیجے تھے۔ لوگوں نے ان اشعار اور اس کی خوش الحانی کو سن کر اسے پہچان لیا کہ یہ تو دوستین ہے۔ رندوں نے فوراً اس کو گلے لگایا۔ دوسرا دوستین اصلی

دوستین کو دیکھ کر شادی سے دستبردار ہو گیا۔ کہ حق اسی کا ہے۔ دوستین اور شیرین کی شادی اسی وقت ہو گئی۔ اور شیرین کی یہ دعا قبول ہوئی کہ

"اے خدا تو بادشاہ صفت ملک دوستین کو واپس
لے آ۔ اس دوسرے کو نہیں، اصلی دوستین کو لے آ"

شہ مرید اور حانی

شہ مرید اور حانی کی داستان تمام بلوچوں میں مشہور ہے۔ مگر مختلف شکلوں میں کوئی اس کی شعری داستان کی مختلف مثنوی کو بنیاد بناتا ہے۔ تو کوئی اس میں زبانی روایات ملا دیتا ہے۔ مگر بہت کم لوگ اس کی اصل حقیقت سے آگاہ ہیں۔ مری قبائل کی روایات کے مطابق شہ مرید، شہ مبارک کا بیٹا تھا اور حانی میر مندو کی بیٹی تھی۔ وہ بچپن میں اکٹھے کھیلتے کودتے تھے۔ مگر اس وقت ان کی منگنی نہیں ہوئی تھی۔ جب دونوں جوان ہوئے تو حانی کی خوبصورتی اور زیبائی تمام رندوں میں بیمثال تھی۔ کوئی رند دوشیزہ اس

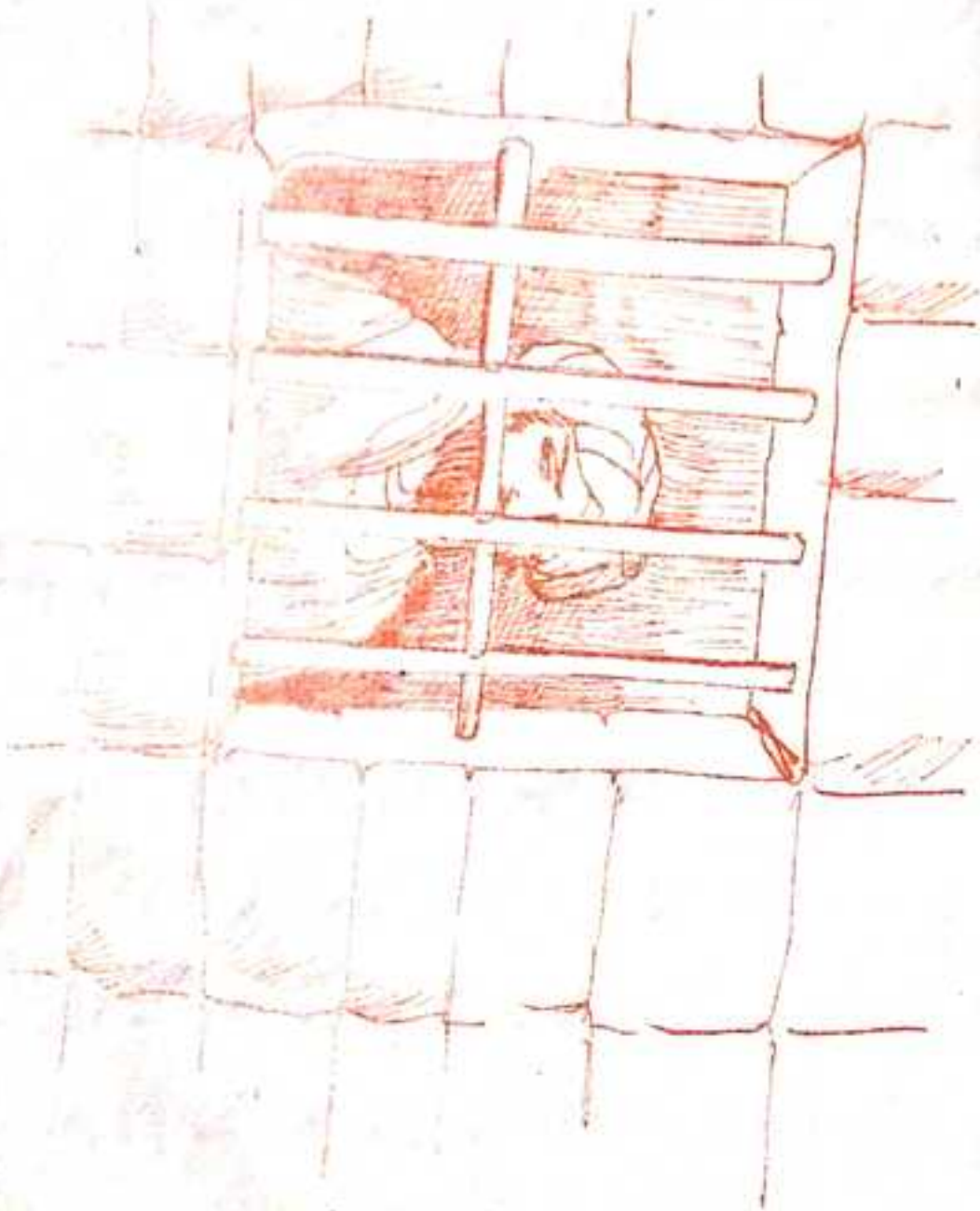

کے پائے کی نہیں تھی۔ ایک روز رندوں کے سردار میر چاکر نے دیکھا تو اس کے حسن پر عاشق ہو کر اس سے شادی کا ارادہ کیا۔

چاکر ایک جابر اور زبردست سردار تھا۔ اس کی طاقت و قوت کے سامنے شہ مرید اور حانی کی عشق و محبت کا بس نہیں چل سکتا تھا۔

اس کہانی کے اصل حقائق پر اب بھی تاریکی کا پردہ پڑا ہے۔ کسی نے اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے تحقیق و جستجو نہیں کی ہے۔ اب تک کسی کو معلوم نہیں کہ ان دونوں کی آخری شادی بھی ہوئی تھی یا نہیں۔

ایک دوسری روایات کے مطابق چاکر اور شہ مرید ایک روز شکار پر چلے گئے جب وہ شکار سے لوٹے تو رند خواتین پانی بھر رہی تھیں۔ اس وقت۔

عورتیں اپنا ہر کام کاج سب خود انجام دیتی تھیں۔ انہوں نے پانی مانگا۔ تو حانی نے گلاس میں پانی بھر کر اس کے ساتھ کچھ تنکے بھی ملا دیئے تاکہ گرمی اور تھکاوٹ کی وجہ سے تیز تیز پانی پینے سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ سفر کی واپسی سے فوراً بعد جلدی جلدی میں پانی پینے سے دل پر اثر ہوتا ہے۔ ایک بار تو چاکر کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دیکھو اس گستاخ اور بیباک خاتون کو جو اپنے سردار کے پانی میں بھی تنکے ملاتی

ہے ۔ دوسری طرف میر چاکر کی بیوی نے سادہ اور صاف پانی گلاس میں
ڈال کر شہ مرید کو پلایا ۔ اس سے شہ مرید بیمار پڑ گیا ۔ تب چاکر کو اس
عورت کی عقلمندی سمجھ میں آئی اور اس نے اس کے ساتھ شادی کرنے
کا فیصلہ کر لیا ۔

جانی کو جو کہ شہ مرید کی منگیتر تھی ۔ حاصل کرنے کے لئے میر چاکر
سوچتا رہا ۔ تا آنکہ اسے باآسانی موقع ہاتھ آگیا ۔ اس کی روایت بھی اس
طرح ہے ۔ رند قبائل میں سب سے معزز اور قابل تعظیم وہی شخص تصور
ہوتا تھا جسے اپنے قول کا پاس ہوتا تھا ۔ بلوچی ننگ و ناموس میں اپنے
قول کو نبھانے میں بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ اس طرح ایک اجتماع میں
رندوں کی برگزیدہ شخصیتوں نے اپنا اپنا قول دیا ۔ اور اپنے قول کو پورا
کرنے کی قسم اٹھائی ۔ جاڑو کے بیٹے نے جب اس کی داڑھیوں پر ہاتھ
لگایا ۔ تو اس نے اپنے قول کے مطابق اس کا سر تن سے جدا کر دیا ۔ ان
قولوں کے بارے میں اشعار میں یوں ذکر آیا ہے ۔

" بہادر میر جاڑو نے قول دیا کہ جو بھی میری داڑھی کو
ہاتھ لگائیگا ۔ اسے میں کبھی زندہ نہیں چھوڑوں گا ، شان

و شوکت والے میر عالی نے قول دیا کہ جس کے بھی
اونٹ ، میرے گلّے میں آکر شامل ہوں میں ان کو
واپس نہیں دوں گا۔ خواہ کچھ بھی ہو۔"

اسی طرح اُس دیوان میں شہ کٹی نے قول دیا کہ جو شخص بھی میرے راستے پر آمنے سامنے آئے ہیں۔ اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ایک روز بورغ رند کا باپ میر باہر رند جب اس کے راستے پر آیا تو اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔ میر چاکر کے اونٹ جب میر عالی کے گلّے کے ساتھ مل گئے تو اُس نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ پر آمادہ ہو گیا۔

اس اجتماع میں شہ مرید بھی موجود تھا۔ اس نے قول دیا کہ جمعہ کی صبح سویرے جو شخص بھی مجھ سے جو کچھ مانگے۔ میں اسے دیدونگا۔ اس طرح چاکر کو موقع ہاتھ آیا۔ اس نے فقیروں کو اس کے پاس بھیجا۔ کہ اس سے صبح سویرے حانی کو طلب کر لو۔ فقیر شہ مرید کے پاس صبح سویرے پہنچ گئے۔ انہوں نے اس سے حانی کو طلب کیا۔ انہوں نے تین مرتبہ اپنے اس مطالبے کو دہرایا۔ شہ مرید نے اپنے قول کا پاس رکھتے ہوئے حانی کو اُنہیں بخش دیا۔ اس طرح چاکر خان حانی

کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جب شہ مرید کو یہ پتہ چلا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے تب وہ حانی کے فراق میں شہ مرید خوش الحانی اور پر سوز آواز میں شعر کہتا تھا۔ اس کے فراق میں شعر گا گا کر اپنے جذبات کا اظہار کرتا۔ اور حانی کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ چنانچہ وہ حانی کو ایک نظر دیکھنے، ایک رات میر چاکر کے گھر کو دگیا۔ اور تین مرتبہ چاکر کی گھوڑی کو کھولا۔ جسے باندھنے کے بہانے تین مرتبہ حانی باہر نکلی دوسری صبح میر چاکر نے دربار میں اس واقعہ کا یوں حال معلوم کرنا چاہا ؎

رات جب بجلی کوندی تو کون سویا ہوا تھا۔ اور کون جاگ رہا تھا۔ سب نے جواب دیا کہ کسی کو رات بجلی چمکنے کا علم نہیں۔ جبکہ رات بھر بالکل بادل نہیں تھا تو بجلی چمکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

مگر مرید نے اس سوال کا جواب دیا ؎

"سردار مجھے خوب یاد ہے۔ میں صحیح صحیح حال اور ثبوت بتاؤں گا۔ کل رات، میر چاکر کے محل کے نیچے حانو کے دروازے

پر جب بجلی کوندی تھی تو دوبار تو گویا شعلے بھڑک اٹھے
تھے۔ مگر تیسری مرتبہ سیاہ بادل چھا گئے تھے۔

اس بھری محفل میں رندوں کے قوی سردار کی بیوی کے بارے میں اس طرح کا بیان معمولی بات نہیں تھی۔ اس کے لئے جگر گردہ اور ہمت درکار تھی۔ مگر شہ مرید کو کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ رات کو جانی کو علم ہو گیا تھا کہ چاکر کے محل میں آگر گھوڑی باندھنا، کسی اور کا کام نہیں ہو سکتا۔ تو وہ اسے دیکھنے نکلی تھی۔ وہ تینوں مرتبہ باہر آگئی تھی۔ پہلی مرتبہ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ جو بجلی کے کوندنے کی طرح روشن تھا۔ دوسری مرتبہ اس نے دوپٹہ اوڑھ لیا گویا چاند بادلوں میں چھپ گیا۔ تیسری مرتبہ جب اس کے بال بکھرے تو گویا آسمان پر سیاہ گھمبیر بادل چھا گئے ہوں۔ اس گفتگو پر اس کے باپ کو سردار چاکر نے متوجہ کیا کہ اس کا لڑکا بڑا بیباک اور گستاخ ہو گیا ہے۔ اس پر شہ مبارک نے برا منایا کہ سردار کی شان میں ایسی گستاخی اچھی نہیں۔

شہ مبارک نے اپنے پیر سے جوتی نکالی اور شہ مرید کے پردے ماری۔ شہ مرید نے اپنے باپ کی جوتی کو بوسہ دیا۔ پھر اس کو واپس کر دیا۔ اور اپنے باپ سے بولا۔

اگر آج کسی نے رندوں کے سردار کو جوتا رسید کیا ہوتا تو آج میدان خون سے سرخ ہو جاتا۔ چاروں جانب رندوں کی تیز رفتار گھوڑیاں، تلواریں سے بہائے گئے خون میں نہا چکی ہوتیں۔

اس کشمکش میں شہ مرید کسی جانب چل پڑا۔ اور حج کرنے کا ارادہ کیا کہ اب رندوں سے اس کا گذارہ مشکل ہے۔ اس امر کا اظہار وہ یوں کرتا ہے ؎

"مجھے قول ہے کہ میں اپنے وطن اور اپنے لوگوں کو حسین حانو کی خاطر چھوڑ کر ان فقیروں کے ساتھ چلا جاؤں گا جو صدائیں دے دے کر روٹی مانگ مانگ کر اپنے پیٹ کی بھوک مٹاتے ہیں"

وہ کافی عرصہ کعبہ میں رہا۔ کئی حج کئے۔ پھر فقیروں کے ساتھ تیس سال بعد سبی کو واپس ہوا۔ اب رندو لاشاری قبائل کی جنگ ختم ہونے کو تھی۔ ان کی طاقت و قوت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مرید اسی زمانے میں وطن لوٹا۔ عید کی صبح تھی لوگ نشانہ بازی میں مصروف تھے۔ مگر کسی کا نشانہ صحیح نہیں بیٹھتا تھا۔ رند سب جمع تھے۔ شہ مرید بھی اس مجلس میں شریک ہو گیا۔ انہوں نے کئی کمان اس کو نشانہ بازی کے لئے دیئے۔ مگر وہ سب ایک ہی وار میں ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے آخر کسی نے کہا۔ جا کر شہ مبارک کے گھر سے

شہ مرید کا کمان لے کر آئیں۔ ایک آدمی اس کے گھر سے جا کر اسے اٹھا لایا۔ شہ مرید نے کمان اٹھا کر شست باندھی ؎

"مرید کی بھاری بھر کم کمان کو لایا گیا۔ اس کے اوپر بھیڑ بکریوں کے بچے اچھل کود کر اسے گندہ کر چکے تھے۔ رندوں کی عورتیں نظارہ کر رہی تھیں۔ شہ مرید نے کمان کو اٹھا کر سات مرتبہ اسے چوم لیا اور پھر شست لیکر نشانہ پر صحیح صحیح تیر مارا۔ تب رندوں کو شک ہوا۔"

شہ مرید نے اپنی کمان شناخت کر لی تھی، اسے درست کر کے یکے بعد دیگرے سات تیر پھینکے جو ایک ہی جگہ پر نشانہ میں صحیح صحیح لگے۔ رندوں نے شہ مرید کو گھیر لیا۔ ان کو شک ہوا کہ فقیروں کے بھیس میں یہی شہ مرید ہی ہو گا۔ انہوں نے اسکو جانے سے روکدیا۔ کسی نے جا کر حانی سے اس کی نشانیاں دریافت کیں جو اس نے بتا دیں انہوں نے اس کو اب شناخت کر لیا۔ اب تمام رندوں نے یک زبان ہو کر میر چاکر کو منت سماجت کی کہ وہ شہ مرید کے حال پر ترس کھائے اور حانی کو اسے

بخش دے ۔ میر چاکر نے اعتراف کیا کہ حانی کبھی اس کے ساتھ ہم بستر نہیں ہوئی ہے ۔ چنانچہ اس نے مجمع میں اعلان کر دیا کہ اس نے حانی کو بخش دی۔

شہ مرید نے اس شاہانہ بخشش کو یہ کہکر لینے سے انکار کر دیا کہ اب اس قابل نہیں رہا ۔ تاہم حانی نے اس کے ساتھ جانے پر اصرار کیا چنانچہ دونوں کا نکاح پڑھا گیا ۔ اور دونوں کو ایک اونٹنی پر سوار کر کے روانہ کر دیا ۔ روایت ہے دونوں ازلی عاشق اور معشوق اب تک زندہ ہیں اور اونٹنی پر سوار کبھی کبھار رہگیروں کو نظر آیا کرتے ہیں۔

شاہداد اور مہناز

شاہداد سردار چاکر رند کا بیٹا تھا ۔ بلوچی تاریخ میں شاہداد کا نہایت اہم کردار رہا ہے ۔ بلوچی شعر و ادب میں بھی وہ بڑی حیثیت اور بڑے درجے کا مالک ہے ۔ قدیم تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو

ہاد کی شخصیت ہمیں ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ شاہداد نے پہلی بلوچی
ست کی داغ بیل ڈالی۔ مزید یہ کہ رندو لاشاری قبائل کے جنگ چھڑنے
وقت روایات کے مطابق شاہداد اور رامین لاشاری کی آپس میں گہری
ستی تھی۔ دونوں ہم عمر تھے وہ آپس میں شیر و شکر تھے۔ ان کا
ا بیٹھا ایک تھا۔ پھر یوں ہوا کہ ایک دوشیزہ کی محبت میں ان کا
ں میں جھگڑا ہوا۔ اور تلخی پیدا ہو گئی۔ پھر رامین نے گوہر جتنی کی
ینیوں کے بچھڑوں کو مار ڈالا جو رندوں کے پناہ میں تھی۔ اس طرح
رنجش اور کدورت تیس سالہ طویل جنگ کا باعث بن گئی۔

بابر اور ہمایوں کی افواج میں بھی بلوچ شامل تھے۔ پانی پت کے
ان میں مغلوں نے لودھیوں کو شکست دے کر تخت و تاج حاصل
یا۔ بابر کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ اس کے اپنے بھائی
کے دشمن تھے۔ اس نے بلوچ لشکر کے ساتھ دوسری افواج جمع
کے کابل قندھار جا کر اپنے دشمنوں کو شکست دے دی۔ مگر اسے
شاہ سوری نے شکست دیکر تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ وہ سندھ
جانب بھاگ گیا۔ اسے توقع تھی۔ شاید اس کے باپ کی نیکیوں کے

بدلے اسے کوئی امداد اور پناہ دے۔ تو شیر شاہ سوری نے اپنے تار
چاروں طرف روانہ کئے۔ ہر ایک نے ہوا کا رُخ دیکھ کر اس کی مدد کرنے
انکار کر دیا۔ آخر مجبور ہو کر وہ بلوچوں کے پاس چلا آیا کہ اگر بلوچوں
مدد کی تو ٹھیک ورنہ وہاں سے ایران چلا جائے گا۔ بلوچوں نے اپنے با
کی اپنی روایات کے مطابق اپنی شان اور غیرت کے مطابق خدمت کرنے
کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہمایوں بلوچی علاقوں میں گھومتے سیوی سے م
کے علاقے میں آیا۔ چاکر نے خود ہمایوں کو خوش آمدید کہا اور اسے ا
تک پہنچانے کے بعد، واپسی پر اس کی ہر قسم کی مدد کرنے کا وعدہ کیا
ہمایوں ایران سے فوج لے کر واپس ہوا۔ بلوچوں نے اپنی فوجیں اس کے
کر دیں۔ ایرانی اور بلوچی فوجوں نے کابل و قندھار کو فتح کر لیا۔ اور
بلوچ کو گورنر مقرر کر دیا۔ پھر فوج دہلی کو فتح کرنے کے لئے رو
ہو گئی۔ میدان جنگ میں سوریوں کو شکست دے کر دہلی کے تخت و تاج
دوبارہ حاصل کیا۔ اس جنگ میں بلوچ لشکر کی کمان شاہداد کر رہا تھا
فتح کے بعد ہمایوں نے بلوچ سردار کی بہت عزت کی اور ان کی جنگی
کے صلے میں منٹگمری کا علاقہ ہمایوں نے بلوچوں کو دے دیا۔ عرصہ تک

بلوچی ریاست قائم رہی ۔ سوریوں اور ہمایوں کی جنگ کے بارے میں
داد کی ایک مشہور نظم تمام واقعات کو سموئے ہوئے بلوچی ادب کا قیمتی
ہے ۔جس میں اس کی بہن مائی بانڑی کی بہادری کے کارنامے بھی بیان
گئے ہیں ۔

شاہداد کی دو بیویاں تھیں ایک کا نام مہناز تھا اور دوسری کا مرگو۔
مہناز سے بہت پیار کرتا تھا ۔ اور اسے عزیز رکھتا تھا ۔ سوکن کو یہ سلوک
پسند نہیں آیا ۔اور سوکن پن اپنے اصلی رنگ میں نمودار ہوتا ہے ۔
نے سوکن پن میں حسد سے کام لے کر دھوکا اور مکاری کا ایک جال
یا ۔ شاہداد کی عومر نامی ایک چرواہے شخص سے دوستی تھی ۔ ان کی
دوسرے کے ہاں آمدورفت تھی ۔ ایک مرتبہ عومر اپنے دوست کے
پیوی چلا آیا ۔ وہ دونوں دوست رات گئے تک بیٹھ کر پرانی باتیں
دوسرے کو سناتے رہے اور ہم مجلس رہے ۔
مرگو اپنے حسد اور سوکن پن میں موقع کی تلاش میں تھی ۔ وہ
انتظار میں تھی کہ کب اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنائے اور انتقام
گ کو ٹھنڈا کرکے اسے ایک موقع ہاتھ آگیا ۔ وہ اپنی چارپائی

سے اُٹھ کر ماہناز کے ماں اس کی چارپائی کے پاس چلی گئی۔ اس
اس کی چپل خود پہن لی۔ اور واپس لوٹی۔ عومر نیند میں گہری سانس
لے رہا تھا۔ مرگو نے آہستہ آہستہ اس کی چارپائی کے گرد مہناز کی چپل
پہنے۔ کئی چکر کاٹے پھر مہناز کی چپل خاموشی سے پہلی جگہ پر رکھ دی

صبح کے وقت شاہداد نے عومر کو ناشتہ کرانے کے بعد۔ اسے الو
کہا۔ اور گھر چلا آیا۔ مرگو سے پوچھا۔ مہناز کہاں ہے؟ اسے کہو
مجھے کھانا کھلائے۔ اس وقت ماہناز۔ غسل کر رہی تھی۔ مرگو بولی
میرے آقا۔ پہلے تمہاری چہیتی بیوی اپنے بال سکھائے گی۔ پھر
کو کھانا کھلائے گی۔ پھر مرگو نے خوشامدانہ لہجے میں کہنا شروع کیا
سردار عومر نہ تمہارا بھائی ہے اور نہ ہی تمہارا رشتہ دار ہے۔
یہاں صرف ماہنو کی خاطر آتا ہے۔ ان کے آپس میں رازو نیاز ہیں۔ تمہاری
چہیتی بیوی نے تمہاری شان شوکت۔ عزت اور غیرت کو خاک
ملایا ہے۔ نہ ہی اسے اس بات کا خیال ہے کہ وہ خود کس کی بیٹی
اس نے لنگڑے عومر کے ساتھ دوستی گانٹھ لی ہے۔ جب کبھی
آیا ہے تو ماہناز کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کل رات بھی ماہناز خود

کے پاس چلی گئی تھی۔ رات بھر اس کے ساتھ رہنے کے بعد، صبح سویرے آکر سوئی ہے۔ اس کے چپل کے نشان چارپائی تک میں نے خود دیکھے ہیں۔ میں تمہاری وفا شعار بیوی ہوں۔ مگر مجھ پر تو کبھی آپ توجہ نہیں کرتے۔ آپ اپنی چہیتی بیوی کی کرتوت دیکھ لو۔" اس قسم کی باتیں سن کر شاہداد کا سر چکرانے لگا۔ وہ اُٹھا اور پیروں کے نشان اٹھائے۔ اور گھر سے لے کر عمر کی چارپائی تک نشانوں کا سراغ لگاتا ہوا گیا۔ بات واقعی صحیح تھی۔ واپسی کے نشانات بھی اس نے دیکھے۔ وہ غصے سے بولا۔ عمر نے نہایت بے غیرتی اور بے شرمی کا کام کیا ہے۔ عمر اگر ایک عزت مند بلوچ نہ تھا۔ تو ماہناز نے بھی اپنے آباد اجداد کی غیرت و حیا کا کچھ خیال نہیں کیا۔ مرگو کا تیر نشانے پر بیٹھا۔ شاہداد نے ماہناز کو سسرال بھیج دیا کہ تم پہلے چلی جاؤ۔ میں بعد میں آؤں گا۔ کیونکہ سفر میں کافی وقت لگتا ہے۔ ماہناز کی نیت صاف تھی۔ چونکہ وہ سسرال جا رہی تھی، رواج کے مطابق وہ اچھے کپڑے اور زیورات پہن کر جانے کے لیے تیار ہوئی۔ اسپہ شاہداد کا شک اور یقین میں بدل گیا کہ بن ٹھن کر کیوں جاتی ہے۔

مرگو نے دیکھا کہ جھوٹ کامیاب ہو چکا ہے۔ تو اس نے خاموشی سے بات کو خوب ہوا دی اور اس کو لعن طعن کرتی رہی کہ اس نے اپنا منہ کالا کر کے عمر جیسے ذلیل لنگڑے کے ساتھ دوستی کر لی ہے۔ اور اسے خدا تباہ کرے کہ اس نے خاندان کی عزت کو مٹی میں ملا دیا۔

ماہناز اس وقت اپنے سسرال ڈھاڈر میں تھی۔ اسے جب یہ حال معلوم ہوا کہ مرگو نے اس طرح سے بدنام کرنے کے لئے چال چلی ہے۔ تو اسے بہت دُکھ ہوا۔ شاہداد کی بھی ماہناز سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ وہ اپنے دل کی بھڑاس اشعار میں نکالتا تھا۔

"اے میراثی میرے ان کہے ہوئے اشعار کو لیجا کر
اس بے وفا ماہنو تک پہنچا۔ میری چہیتی ماہناز کو
بتا۔ اگر تمہارا دوست میں نے گھومتے ہوئے
دیکھا ہوتا تو میں تلوار اس کے سینے سے اس طرح
آر پار کرتا کہ اس کی لاش اور کلیجہ اور گوشت
کو، گدھ اور چیل کھا کھا کر سیر ہو جائے۔
تب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا۔"

اب راز راز نہیں رہا تھا۔ تمام لوگ ان کے کشیدہ تعلقات اور حالات سے واقف ہو چکے تھے۔ مگر ماہناز اس امید پر زندہ تھی کہ جھوٹ کی عمر دراز نہیں ہوتی۔ وہ ان افواہوں پر کان نہیں دھرتی تھی۔ لیکن شاہداد کا کلام ماہناز نے سُنا۔ تو اسے محسوس ہوا کہ اب پانی سر سے آگے بڑھ چکا ہے۔ جب وہ شاہداد کے اس قسم کے اشعار سنتی تو اس کا کلیجہ منہ کو آتا تھا

"وہ (عورت) صبح مال چرانے چلا جاتا ہے۔ شام کو بدحال
اور بدبوؤں سے بھرا ہوا لوٹتا ہے اور وہ تمہارے گھر
میں داخل ہو کر تمہاری قربت کی خوشبوؤں سے
جی بہلاتا ہے اور تمہارے بدن سے کھیلتا ہے۔"

اس قسم کے الزامات اور طعن سے بھرپور تیز اشعار کو سن کر ماہناز کا جذبۂ انتقام جاگ اٹھا۔ وہ بھی ایک پڑھی لکھی اور ضدی عورت تھی۔ خاندان اور برادری کے لحاظ سے شاہداد سے کمتر نہ تھی۔ ان کا خون ایک ہی تھا۔ وہ میران رند کی بیٹی تھی۔ جو چاکر کا بھتیجا تھا۔ وہ عرصہ سے سسرال میں تھی۔ شاہداد کو اشعار کی صورت میں ماہناز کی جانب سے اس قسم کے

اشعار لوگ سناتے۔

"اے سفر پہ جانے والے لوگو! اس محل میں جاکر
میر شاہداد سے اگر ملاقات ہو تو میری طرف سے سلام
کہنے کے بعد، میرے چچازاد بھائی کو میرا پیغام پہنچا دو
کہ اب تم جواں مردی کے جوہر دکھانے اور کسی اور
کام کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اب تم شرم سے
گھر میں منہ لٹکائے بیوی کے پاس بیٹھے رہتے ہو۔"

پھر وُہ اپنی محبت دوستی اور گذرے ہوئے یادوں کے بارے میں پیغام بھیجتی ہے۔ ؎

میں نے تمہارے گھر کے لئے چٹائیاں بُنیں ہر ہفتہ میں
کئی کئی قسم کے کپڑوں پر کشیدہ کاری کی تھی۔"

ایک مرتبہ شاہداد شکار سے واپس آ رہا تھا۔ ماہناز اپنی تین چار سہیلیوں کے ساتھ آ رہی تھی۔ اُس نے اس کا راستہ روکا۔ اس واقع کو ماہناز اشعار میں یوں بیان کرتی ہے۔

تم تین چار بہادر سواروں کے ساتھ شکار کھیلنے کے

بعد واپس آ رہے تھے ۔ میں بھی اپنی تین چار سہیلیوں کو
لیکر تمہارے راستے پر بیٹھ گئی ۔ میں نے ایک ہاتھ سے
تمہاری گھوڑی کی مضبوط لگام کو تھاما اور دوسرے
ہاتھ سے تمہارے پیر پکڑ لئے ۔"

اس پر آپ نے مجھے طلاق دے دی اور مجھے دھکا دے کر اپنے راستے سے ہٹا دیا ۔

"تم نے مجھے ایک زور دار دھکا دے کر بیٹھ کے
بل گرا دیا ۔ میری خوشبوؤں سے معطر زلف ، مٹی سے
آلودہ ہو گئی اور تم نے خوش ہو کر مجھے تین اشرفیاں
گن کر دے دیں ۔ تم اپنی اس حرکت پر خوش و نازاں
تھے اور میں بصد مجبوری ان کو قبول کر لیا ۔ ان کو اٹھا
کر اپنے دوپٹے کے پلو میں باندھ کر محفوظ رکھا تا کہ
گم نہ ہو جائیں ۔"

ماہناز کو اپنی پاکیزگی اور غیرت مندی پر فخر تھا ۔ وہ اپنی شرافت پر پورا یقین رکھتی تھی ۔ اس کا دل گواہی دیتا تھا کہ وہ بے عیب ہے ۔

نفرت کرنے لگا۔ وہ امن و آشتی کا پرستار بن گیا۔ لڑائی کے خون خرابے
سے تنگ آ کر امن پرستی کا علمبردار بنا اور یوں پرچار کرنے لگا ؎

"جنگ کی بُری باتیں اچھی نہیں ہیں۔ اس سے دوستوں اور عزیزوں
سے محروم ہونا پڑتا ہے"

لڑائی میں اپنے بڑے بھائی کے مارے جانے کے بعد اپنے جذبات کا
اظہار کرتے ہوئے وہ کہتا ہے ؎

میں اپنے دل میں خوش تھا کہ اب مجھے اچھا دور اور زمانہ
نصیب ہوگا مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ مجھے اب اس سے
بھی زیادہ کٹھن امتحان اور جستجو میں گزارنا پڑے گا"

مست کے سب بھائی اس کی زندگی میں فوت ہو گئے جیسا کہ وہ خود
کہتا ؎

"ان چھ بھائیوں سے اب میں اکیلا رہ گیا ہوں"

مست توکلی ایک صوفی قسم کا شاعر تھا۔ اس کے بھائی دلنڑ ا
پیرک کی وفات پر اس جہان کے فانی ہونے اور ناپائیداری سے اس کا د
دنیا سے ٹوٹ گیا۔ اور یہی اثر اس کی شاعری میں نمایاں ہے:

پیرک کی موت کی خبر سن کر وہ یوں کہتا ہے ؎

"ایک خط ہزاروں الفاظ پر مشتمل مجھ تک پہنچا جس میں پیرک کی موت کی دلخراش خبر اور گزین کے سلام درج ہیں۔ کچھ لوگ فتح کی خوشی منا رہے ہیں۔ اور میں پیرک اور ہمو کے غم میں جل رہا ہوں۔ اب خوشی و خرمی کے ساتھ ان دونوں عزیزوں سے کبھی ملاقات نصیب نہیں ہوگی۔"

وہ اپنے دکھ و غم کا شکوہ بھی کرتا ہے۔

ایک طرف میں چلا آتا ہوں تو دوسری جانب سے لاشیں اٹھائے لوگ آتے ہیں۔ یا الٰہی میں نے کونسا گناہ کیا ہے جس کی یہ سزا ملی ہے۔"

روایت ہے کہ مست نے پیرک کے سروز کو لیجا کر کھڑی پہاڑ پر رکھا جو جاندران کے علاقے کے مغرب کی جانب واقع ہے۔ کہتے ہیں کہ ابھی تک جس رات بادل چھائے ہوں، وہ خود بخود بجنے لگتا ہے ؎

میں پیرک کے پُرسوز سروز کو پہاڑی کی چوٹی پر محفوظ
کر لوں گا۔ تاکہ فرشتے اسے بجائیں اور محبوبائیں اس کی

طرف متوجہ ہو کر سُنیں "

تو کلی مست بچپن سے ہی غمگین اور مغموم رہا کرتا تھا۔ وہ مال مویشی
چراتے وقت کئی باران کو بھی بھول جاتا تھا۔

مست توکلی اور سمو کے عشق کی ابتداء جمنڑی کی لڑائی کے بعد ہوئی
ہے، وہ اس لڑائی کے بعد ایک روز سیر و سفر کی خاطر رستزانی پہاڑ کی جانب
چلا گیا ۔

"پرسوں میں رستزانی کی پہاڑیوں کے ندی نالوں سے ہوتا ہوا
ایک بیابان اور وسیع میدان میں جا نکلا "

مست اور سمو کے عشق کی کہانی یوں شروع ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ
برسات کے موسم میں وہ سفر کر رہا تھا کہ رستزانی پہاڑ کے دامن میں بارش
شروع ہو گئی۔ ادھر اُدھر سر چھپانے کی جگہ ڈھونڈی تو اس کی نظر ایک
خانہ بدوش کے خیموں پر پڑی۔ وہ وہاں چلا گیا۔ اسے باہر چھپے پر بٹھایا
گیا۔ جب بارش ختم ہو گئی تو اسے خیمہ کے اندر لیجایا گیا۔ سمو اپنے شوہر
کے ساتھ باہر خیمہ کی لکڑیاں میخیں اور رسیوں کو مضبوط کرنے میں مصروف
تھی تو بارش سے سمو کے کپڑے بھیگ گئے۔ اس وقت بجلی چمکی۔ سمو کے

بجلی کی چمک سے عیاں ہو گئے مست
بال، تند و تیز ہواؤں نے خیمے کی میخیں اکھاڑ ڈالیں
اور اس کے دوپٹے کو اڑا لے گئیں "

اس طرح پہلی نظر پڑتے ہی مست، سمو پر جان و دل گنوا بیٹھا۔ وہ رات بھر اسے یکتا ہی رہا۔ جب لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی تو وہ بے ہوش پڑا ہوا تھا ۔

میرا اسی روز مجنوں کی طرح دل شیدا ہو گیا۔ ویرانے اور
بیابانوں میں بے ہوش اور مست ہو کر رہ گیا "

اس واقع کے بعد مست کی زبان پر صرف سمو کا نام تھا۔ اور اس نے سمو کے نام شاعری شروع کی۔ اس کے ہر شعر میں سمو کی جانب اشارہ و کنایہ موجود ہے اگر کبھی کسی نے اس کی دعوت و مہمانی کی تو وہ کہتا کہ سمو کا بھی حصہ دیدو۔

سمو مری قبیلہ میں پھروڈی شاخ سے تھی اور کاہان کے مشرق جانب رہتی تھی۔ مست اپنی شاعری میں پیار و محبت سے اسے سمل اور سمی کے ناموں سے بھی یاد کرتا ہے۔ وہ مال مویشی چراتی تھی اور شام

کو گھر چلی آتی تھی، وہ ننگے پاؤں مال مویشی چراتی رہتی تھی۔ اس پر مست بے قرار تھا کہ وہ کیوں اس حال میں ہے ؎

"پھروں تم لوگوں پر قہر ٹوٹے کہ تم لوگوں نے سمو کو بکریاں چرانے پر مامور کیا ہے اور رستانی پہاڑ پر مال مویشیوں کے ساتھ بھیجتے ہو"

اور پھر کہتا ہے ؎

"وہ جوتوں کے بغیر مال مویشیوں کے پیچھے ٹہلتی اور گھومتی پھرتی ہے ــــ"

مست توکلی سمو کی یادیں لئے بلوچستان کے گوشے گوشے میں گھوما پھرا۔ وہ ملتان میں فقیروں و بزرگوں کی درگاہوں کی زیارت کے لئے ملتان و لاہور چلا گیا۔ وہاں سے دہلی پہنچا تو انگریزوں نے اسے ایک پاگل سمجھ کر قید خانہ میں بند کر دیا۔ اس قید کے بارے میں وہ کہتا ہے ؎

"دلی کا شہر آباد و خوبصورت ہے، اس میں بدشکل کالے لوگ جمع تھے۔ میں نے ان بزدلوں کے دھکے، قید اور ظلم سہے۔ مجھے

افسوس ہے کہ اس وقت بہادر مری میرے ساتھ نہیں ہے۔

ورنہ انہیں خوب سبق پڑھاتے "

جیل سے نکل کر واپس بلوچستان کے پہاڑوں میں چلا آیا۔ بلوچستان میں
ری گبنی، فورٹ منرو، بارکھان، دکی، بوری، سیبی اور ڈھاڈر کے تمام
مقامات کے پہاڑوں پر مست کی مسجدیں موجود ہیں۔ مری کے علاقے
میں تو جگہ جگہ اس کی مسجدیں ہیں۔ وہ جہاں جاتا پتھروں سے مسجد بنا
کر دروازہ پردہ پتھر کے چوبے پر پتھر کے تورے بنا کر رکھتا
تھا اور ان توڑوں پر پتھر کے گھوڑے اور سوار بنا کر رکھتا تھا۔
مست ہر جگہ سمو کے لئے مست و مدہوش رہتا۔ اور اس کی خاطر
سیر و سیاحت اختیار کی۔ اس کا سمو کے سوا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا اور
نہ ہی اسے اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہ تھی۔ اسے دنیا کی ہر شے
سے سمو زیادہ عزیز تھی۔ اس نے دیس دیس اور گھاٹ گھاٹ کا پانی
پیا مگر اسے سمو کے مقابلے میں کوئی عورت آنکھوں میں نہیں سمائی۔ اور نہ
ہی اسے اس کا کوئی ثانی ملا۔

" کہاں میں اور کہاں میری محبوبہ۔ ہائے قسمت کہ تم مجھے

کہاں کھینچ کر لے جاتی ہو۔ میں سکون کی تلاش میں سمو کا
منتظر ہوں ۔" سمو تمہاری خوبصورتی اور ناز و ادا پر
میں قربان ہو جاؤں ۔ جان سے زیادہ عزیز میری خواہش
کہ تمہاری محبت کبھی بھی میرے دل سے ختم نہ ہو۔ اور
میں تمہارے پرانے بندھنوں میں ہمیشہ کے لئے گرفتار رہوں۔
مست توکلی ایک مرتبہ سندھ سے بلوچستان کی جانب آ رہا تھا
اس نے راستے میں کونجوں کی قطار کو محو پرواز دیکھا۔ تو اس کا دل
امڈا ۔

"کونجیں اچھی موسم میں سندھ سے واپس ہو جاتی ہیں۔ ان کونجوں
کی قطاروں کے ساتھ میں بھی محو سفر رہوں گا، کونج سیر کرنے اور میں
سمو کے دیدار کی خاطر کونجوں کی قطاروں کے ساتھ چل رہا ہوں
کونج پرواز کر رہے ہیں۔ اور میں پیادہ محو سفر ہوں ۔ کونجوں
کی دل لبھانے والی آوازیں اور چہچہاٹیں میرے دل کو
نہیں لبھاتیں ۔ اور میرے درد و غم کا علاج نہیں ہیں۔ میرے دل کو
تو سمو کی مسکراہٹیں اچھی لگتی ہیں اور میرے درد و غم کا علاج

وہی مسکراہٹیں ہی تو ہیں۔"

جس طرح مست سمو کے لئے بیقرار رہتا تھا۔ اس طرح سمو بھی اس
دیکھنے کو ترستی تھی۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ مست جب کافی عرصہ
دہ سے نہ لوٹا تو اس نے کسی سے پوچھا کہ تم نے مست کو دیکھا ہے۔
نہیں۔ اس نے اس سوال و جواب کے بارے میں آکر مست کو مطلع کر
دیا۔ ان جذبات کا اظہار وہ یوں کرتا ہے ؎

"بادل ساون کی گھٹاؤں کی طرح آسمان پر چھا کر سمو کے دیس
برستے ہیں۔ وہ کھڑی ہو کر ان کالے بادلوں کا نظارہ کرتے
ہوئے بیقراری اور بیتابی سے ان بادلوں سے پوچھتی ہے۔ کیا تم نے
سندھ میں مست دیوانے کو گھومتے ہوئے نہیں دیکھا ہے؟ میرا
دل دیوانہ ہے کہ مست کی آس لگائے بیٹھا ہے۔ بادلوں نے اسے
جواب دیا کہ اب وہ بہت دور کے علاقوں سے تمہیں دیکھنے چل پڑا
ہے۔"

ایک مرتبہ مست نے کسی پہاڑ میں ایک فقیر کو دیکھا جس کے کان بڑے
بڑے تھے۔ وہ فقیر بھی دنیا سے کنارہ کش اور پہنچا ہوا شخص تھا۔ مست

اس سے مخاطب ہوا ؎

اس کے نزدیک گیا۔ اور اس سے
اے گدھوں جیسے کان والے فقیر مجھے بھنگ کا پیالہ بھر کر د
تاکہ ان کو پی کر میں سمو کی یادیں فراموش کر دوں۔"

ایک دن مست توکلی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سیر و تفریح کی
کر اچانک وہ کاہان سے سمو کے گھر کی جانب چل پڑا۔ مست کو
مست نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ تم لوگ سمو کے گھر آ جاؤ۔ میں جلدی
جا رہا ہوں۔ وہ جلدی میں ان کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ وہ
سمو کے گھر پہنچا۔ وہاں جاکر لوگوں کو ماتم کرتے ہوئے پایا۔ اسے
گیا کہ سمو فوت ہو گئی ہے۔ وہ سمو کی قبر پر چلا گیا۔ وہ لوگوں
غصہ ہوا کہ اسے بتائے بغیر انہوں نے سمو کو کیوں دفنایا ہے۔
عالم مدہوشی میں وہاں کھڑا رہا۔ اس کی خبر پر ایک کمرہ بنوا
عرصہ وہاں قیام کیا۔ اب اس کی سیر و سیاحت اور آمدورفت
چکی تھی۔ وہ ہر وقت مغموم رہا کرتا تھا۔ اب مست کے لئے
دو کام ہی رہ گئے تھے ایک اس کی قبر کی تعمیر تزئین اور دوسرا
شان میں شعر کہنا ؎

"مجھے آسمان کے فرشتوں نے بتایا ہے کہ سمو باغ طوبیٰ میں حوروں کے ساتھ بیٹھی ہے۔" کبھی کبھی وہ اس کی قبر سے کچھ دنوں کے لئے اُٹھ کر چلا جاتا مگر پھر جلد واپس آ کر قیام کرتا۔ اور گیت گاتا رہتا ؎

آج مست سندھ کے گھر گھر گھوما پھرا ہے مگر
پورے سندھ میں سمو وہ تمہارا بدل ڈھونڈنے
میں ناکام ہی رہا ــــ"

سمو کی وفات کے بعد، مست توکلی عموماً بیخود رہتا تھا۔ پگڑی پہننا ترک کر دی تھا۔ جوتے پہننا بھی چھوڑ دیئے۔ صرف سمو کی قبر کی زیارت کرتا رہتا۔ ایک نظم میں سمو کی جدائی کا اظہار یوں کرتا ہے ؎

"اے مرید (شہ مرید) میری آہ و فریاد سن میں سمو پر
اس طرح دیوانہ اور اس کے لئے بیقرار و بے سکون ہوں
جس طرح تم حانی کے لئے تھے"

مست توکلی گھوم پھر کر سیوی سے ہوتا ہوا کٹ منڈائی کے علاقے میں چلا گیا۔ وہیں وہ بیمار پڑ گیا۔ بیماری کی حالت میں پشرہ کے علاقے تک پہنچا۔ وڈیرہ ڈیرہ خان پھوادی کا مہمان ہوا۔ بیماری

جب زیادہ خطرناک ہو گئی۔ تو اس نے شیرانیوں کو اطلاع دیکر بلایا۔ وہ مست کو لیکر چلے گئے۔ وہ جب کوہلو سے مغرب کیطرف پندرہ میل دور گرمی کے مقام پر پہنچے تو اسے یہاں اونٹ سے اتارا پینے کے پانی نہیں تھا۔ مست نے یہاں زمین سے اپنی کرامات سے پانی نکالا آج تک وہ چشمہ اس جگہ بہہ رہا ہے۔ اس طرح یہاں اس کی روح اپنی خاکی بدن سے پرواز کر گئی۔

صدو اور گراناز سے بیورغ کے معاشقے

شیر دل اور بہادر بیورغ میر باہر کا بیٹا تھا۔ میر باہر پتر رند تھا۔ بیورغ، سردار شیہک کا نواسہ اور میر چاکر کا بھانجہ تھا۔ میر بیورغ نے اپنے بچپن کا زمانہ کیچ مکران میں گذارا تھا۔ وہ دوسرے بہادر ساتھیوں کے ساتھ مکران سے بولان فتح کرتا ہوا سیوی تک پہنچا۔ بیورغ رند، بلوچی ننگ و ناموس، شان و شوکت کردار غیرت، بہادری و مہمان نوازی کا حسین پیکر تھا۔ بلوچی کردار کی تمام خصوصیات اسمیں موجود تھیں۔ وہ

رندوں کی سرکردہ شخصیات اور بڑے رہنماؤں میں سے ایک تھا وہ چاکر کا مشیر تھا۔ وہ نہایت ہی ہوشیار اور عقلمند انسان تھا۔ اس نے شعری ادب میں اپنے پیچھے بہت بڑا سرمایہ چھوڑا ہے۔

بیورغ کی گراناز کے ساتھ محبت کی کہانی بلوچوں میں سب سے زیادہ مشہور مقبول ہے۔ بیورغ اور گراناز کا بلوچی عشقیہ شاعری میں بڑا مقام ہے اور بڑے کردار کے مالک ہیں۔ گراناز قندھار کے ارغون کی بیٹی تھی۔ وہ بادشاہ کے گھر میں شہزادی کی حیثیت سے نازونعمت میں پل رہی تھی۔ جب گوہر جتنی کی عزت کی خاطر۔ رندو لاشار قبائل کی طویل جنگ شروع ہوگئی۔ ملّی کی جنگ میں رندوں کو بڑی شکست ہوئی۔ ان کے کئی سورما کام آئے۔ بیورغ چاکر کو لڑنے سے منع کرتا رہا تھا مگر چاکر انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ اسکے عزیز ترین ساتھی اور میران جیسا بہادر بھتیجا ملی کی جنگ میں کام آچکے تھے۔ اب چاکر نے انتقام لینے کی خاطر، ترکوں سے امداد طلب کی اور بیورغ کو سفیر بناکر قندھار بھیجا تاکہ مدد مانگے اور ان کی فوجیں ساتھ لائے۔

بیورغ قندھار میں فوجیں لانے گیا تھا۔ ارغون بادشاہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اور صلاح مشورے جاری تھے۔ بیورغ نے چاکر کو خود آنے

کا پیغام بھیجا اور خود اُدھر ہی قیام کیا۔ ایک روز بادشاہ کے محل پر اس کی نظر شہزادی گراناز پر پڑی اور اس کو دل دے بیٹھا۔

"میں نے کالی ناگن جیسی زلفوں والی ایک حسینہ دیکھی ہے جو بادشاہ کے محل کی ساتویں منزل پر رہتی ہے"

اس دوران چاکر خود آیا۔ ترکوں کو امداد کے لئے راضی کر لیا۔ بیرغ کو اپنے پیچھے فوجیں لانے کے لئے چھوڑ کر خود واپس چلا گیا۔ وہ فوجیں لا کر واپس آیا۔ اور گراناز کو پیچھے چھوڑ دیا۔ صرف اس کی لگن اور دیدار کی یادیں اس کے دل پر نقش تھیں۔ رندوں نے ترکوں کی فوج کے ساتھ بلوچ قبائل پر گاجان کے مقام پر حملہ بول کر بھرپور انتقام لے لیا۔ لاشاریوں سے سخت انتقام لینے کے بعد، اب چاکر کو قرار آیا۔ اور لاشاریوں کی تباہی کے اس واقعہ کے بارے میں وہ فخریہ گاتا ہے۔

"میں نے گاجان کو ہڈیوں کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا ہے۔ جہاں ایک سال تک گیدڑوں اور درندے انسانی ہڈیاں کھا کھا کر بھی بھوک مٹاتیں"

ترک مال غنیمت میں سے اپنا حصہ لے کر واپس قندھار چلے گئے" اور

بیوی کر واپس آیا۔ اب بیورغ کو کسی کل چین نہیں آتا تھا۔ اور گرانار
کی یاد میں بیقرار رہتا تھا۔ وہ پھر گرانار کی طرف ، قندھار چل پڑا۔ چاکر
کو خبر ہو گئی کہ بیورغ بُری نیت سے قندھار گیا ہے۔ تو اس نے کسی دوسرے
بہانے سے قندھار کے حاکم کو قاصد بھیجا کہ وہ بیورغ کو قید میں ڈالے
تا کہ بیورغ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر چاکر کے
لئے ترکوں کی دشمنی کا باعث نہ بنے۔ بیورغ کو قید کر لیا گیا ؎

" میں قید خانہ میں قید کر دیا گیا۔ اور بادشاہ کی دھمکیاں اور مصائب
میرا مقدر بن گئیں "

جب چاکر پھر دوبارہ قندھار چلا گیا تو اس نے بیورغ کو قید سے آزاد
کروا دیا۔

" اب میں حاکموں کی قید، پہریداروں کے دھکوں اور بے عزتیوں
اور جیل کی زنجیروں سے آزاد ہو گیا "

قید سے رہائی کے بعد، بیورغ اپنے ارادے سے باز نہیں آیا۔ اور ایک
رات محل کی دیوار پر کیلیں ٹھوکتا ہوا چڑھ گیا۔ اور گرانار کے پاس جا کر
اسے نیند سے جگایا۔ اس واقعہ کو بیورغ اپنے کلام میں یوں بیان کرتا ہے ؎

"میرے شیروں جیسے قدموں کی آہٹ سے کالی گھٹاؤں
جیسی پیچ در پیچ زلفوں والی محبوبہ ہرنی کی طرح بدک کر
نیند سے اُٹھ گئی۔ وہ چارپائی اور بستر سے کود پڑی اور خوف
سے دُور کسی کونے میں جا کر لرزنے لگی۔"

آخر بیورغ نے اسے دم دلاسا دیا اور کہا کہ بے خطر بیٹھ جاؤ میں کسی
نیت سے نہیں آیا ہوں۔ اس سے یوں مخاطب ہوتا ہے ؎

"میں وہی شخص ہوں جس نے تمہیں محل کے نیچے سے قول دیا تھا
اب میں اسی قول کو نبھانے آیا ہوں۔"

گرانار اس سے پوچھا کہ یہاں تک تم کیسے آسکے۔ ترک تمہیں اور
مجھے قتل کر دیں گے۔ اس نے اپنے آنے کا طریقہ بتایا۔ اور ترکوں کے خوف
و ڈر سے بیباکی کا اظہار کیا ؎

"میں بہادر اور جیالے رند، سردار چاکر اور اس کے ایرانی
گھوڑوں کے علاوہ کسی اور کو خاطر ہی میں نہیں لاتا۔ نہ
ہی ان کی موجودگی میں مجھے کسی اور کی پرواہ ہے۔"

قندھار میں اس نے کچھ عرصہ اور گذارا۔ اور اپنے قیام کے دوران گرانار

کے پاس آنے جانے کا سلسلہ برقرار رکھا ۔ آخر جب وہ وہاں سے تنگ آگیا تو دونوں نے آپس میں صلح کی ۔ اور یہ فیصلہ کر لیا ۔ بقول بیورغ ۔

” آؤ وہاں چلے جائیں جو بلوچوں کا دیس ہے ۔ وہ سیوی
کا دیس جو مجھے جان و دل سے پیارا ہے “

بیورغ گراناز کو محل سے اتار کر قندھار سے نکال لانے میں کامیاب ہو گیا ۔ درہ بولان میں جب پہنچے تو گراناز نے پوچھا ۔ کہ اب کسی کے پاس جانے کا ارادہ ہے ۔ تو بیورغ نے بتایا کہ چاکر رند کے پاس ۔ تو گراناز نے مشورہ دیا کہ وہ تو ویسے بھی تمہارا اپنا ہے ۔ اگر ترکوں نے حملہ کیا تو وہ مجبوراً تمہاری مدد کے لئے نکلے گا ۔ البتہ ہمیں گواہرام لاشاری کے پاس جانا چاہیئے ۔ تاکہ وہ ہمیں پناہ دے اور اس طرح میر گواہرام کے پاس آیا ۔ میر گواہرام نے جب بیورغ کو اپنے پاس آتے دیکھا تو وہ زندگی کے ساتھ اپنی دشمنیاں بھول گیا ۔ اور اس نے ان کو خوش آمدید کہا ۔ اور مہمان رکھا ۔ ترکوں نے دوسری جانب لشکر کشی کی اور میر گواہرام کو پیغام بھیجا کہ یا تو گراناز کو واپس کیا جائے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے ۔ میر گواہرام نے رندوں کے ساتھ دشمنی اور کشت و خون کے

باوجود کہا کہ میں اپنی پناہ میں آئے ہوئے شخص کو ہرگز تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔ جو بلوچی ضابطہ اخلاق کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ اور میر چاکر کو بھی پیغام بھیجکر صورتحال سے آگاہ کردیا۔ رند اور لاشاری قبائل ایکبار پھر متحد ہو گئے اور ترکوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر بیورغ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ اس کی خاطر لوگوں کا خون بہایا جائے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں دوسری صبح سورج نکلتے ہی تلواریں چلنے والی تھیں۔ اور بیورغ اس صورتحال سے بچنے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔

بیورغ رات گئے گرانازکو اکیلا چھوڑ کر ہتھیار سجائے ترک بادشاہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ چوری چھپے لشکر میں داخل ہوا اور سیدھا بادشاہ کے خیمہ کے اندر داخل ہو گیا۔ بادشاہ سویا ہوا تھا۔ وہ بادشاہ کے ہاتھ دابنے لگا۔ حتیٰ کہ بادشاہ کی آنکھ کھلی۔ اس نے اجنبی شخص کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اتنے میں بیورغ بولا۔ بادشاہ سلامت بیورغ آپ کے سامنے موجود ہے۔ بادشاہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ بیورغ بولا۔ بادشاہ سلامت آپ ڈریں نہیں۔ اگر میں چاہتا تو آپ کا کام سوتے میں تمام کر سکتا تھا۔

لیکن کسی بلوچ کے لئے کسی کو للکارے بغیر قتل کرنا معیوب ہے۔ اور آپ سو رہے تھے۔ اور پھر آپ گراناز کے باپ ہیں۔ میں اپنا سر آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ آپ کو اختیار ہے۔ بیشک میری ہی تلوار سے میرا سر قلم کریں۔ لیکن لڑائی کا کوئی فائدہ نہیں۔ بادشاہ نے اس کے یہ کلمات سنے تو اسے گلے لگایا اور کہا۔ تم نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اور لشکر میں گھس کر مجھ تک پہنچے۔ اور میرا اتنا خیال رکھا۔ میں گراناز کو تم جیسے غیرت مند اور بہادر شخص کو بخش دیتا ہوں۔ اس طرح سیورغ کی عقلمندی سے جنگ و جدل ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اور اسے گراناز بھی مل گئی۔ ترک واپس قندھار چلے گئے۔